جناب احمد سعید صاحب ایم اے ۔ لاہور

مولانا محمد علی جوہرؒ اور مولانا تھانویؒ

مولانا تھانویؒ نے کبھی بھی مغربی طرز حکومت کی حمایت نہیں کی ایک مرتبہ آپ نے مغربی جمہوریت کیلئے مغربی بہیمت کا لفظ استعمال کیا۔

مولانا محمد علی جوہرؒ تحریکِ خلافت کی روحِ رواں تھے۔ دوسری جانب مولانا اشرف علی تھانویؒ کو تحریکِ خلافت سے اختلاف تھا۔ مولانا محمد علی گاندھی کے ساتھ تعاون کر رہے تھے، مولانا تھانوی گاندھی کو عیار، دجال، شیطان، طاغوت کے خطاب سے یاد کرتے ہیں۔

تحریکِ خلافت کے دوران مولانا محمد علی نے مولانا تھانوی سے ملاقات کیلئے تھانہ بھون آنے کی خواہش ظاہر کی۔ مولانا تھانوی نے فرمایا: "مسٹر محمد علی یہاں سر آنکھوں پر آئیں، مگر چند شرائط میں ان کو میں پہلے سے اس لئے واضح کر دیتا ہوں کہ کبھی ان کے آنے کے بعد ان کو خیال ہو کہ کس دیہاتی سے پالا پڑا ہے۔ اس لئے جو ضروری باتیں ہیں صاف صاف کہہ دیتا ہوں۔ اوّل شرط یہ ہے کہ مجھ کو آنے سے پہلے تبلادیں کہ کس غرض سے آ رہے ہیں، آیا ملاقات مقصود ہے یا کچھ اور۔ اگر مطلق ملاقات مقصود ہے تو شرائط میں کمی ہوگی، ورنہ شرائط زیادہ ہوں گی۔ میں اسی وقت وہ بھی بیان کئے دیتا ہوں تاکہ وہ غور کر سکیں پھر جیسے رائے ہو عمل کریں۔ سو اوّل شرط یہ ہے کہ آنے سے قبل آنے کی غرض تبلادیں۔ دوئم یہ کہ جس وقت یہاں آئیں گے میں ان کے لئے بہ جز بارِ اوّل کے بار بار کھڑا نہ ہوں گا۔ سوئم یہ کہ زمانہ قیامِ خانقاہ میں ان کو کسی اور سے گفتگو کی اجازت نہ ہوگی۔ یہ ہیں شرائط اگر یہ منظور ہوں تو بسم اللہ ان کا اپنا گھر ہے، تشریف لے آئیں۔"

مولانا تھانویؒ نے کبھی بھی مغربی طرزِ حکومت کی حمایت نہیں کی۔ اسی سلسلہ میں ایک مرتبہ آپ

نے مغربی جمہوریت کے لئے مغربی بدعت کا لفظ استعمال کیا۔ مولانا محمد علی نے جب یہ تحریر پڑھی تو انہوں نے اس سلسلہ میں ایک مضمون تحریر کیا۔ مولانا محمد علی نے لکھا: "حجاز کی مقدس سرزمین پر ایک عہد شکن بادشاہ (شاہ سعود) کے قبضہ جما لینے پر مولانا اشرف علی تھانوی مدظلہ العالی کا دل اس قدر باغ باغ ہوا کہ وہ جمہوریت کو مغربی بدعت کہنے لگے۔ اور سلطان ابن سعود کی مطلق العنانی کو عین اسلام ظاہر کرنے لگے اور چونکہ وشاورھم فی الامر کی نص صریح سے عہدہ برا ہونا آسان نہ تھا۔ اس لئے امر کو جس وقت ضرورت کے تحت کھینچا جا سکتا ہے۔ تاویل کے ذریعہ سے نص صریح کی بے ادبی کی گئی اور فرمایا گیا کہ جی ہاں وشاورھم فی الامر تو صحیح ہے مگر یہ ولایت کے پڑھے ہوئے جو مولانا بن بیٹھے ہیں یہ بھول گئے کہ وان[1] عزمت فتوکل علی اللہ۔ ایسے بلند پایہ عالم کے قلم سے جب ایسی تاویلیں نکلیں تو کس طرح مسلمانوں کی حالت پر رونا نہ آئے۔ تعجب ہے کہ مولانا جو خود ولایت کے نہیں پڑھے ہوئے ہیں۔ اور جنہیں فرنگی محل نے بھی مولانا کا خطاب عطا نہیں کیا ہے، ان الفاظ کو یاد رکھا۔ مگر یہ بھول گئے کہ وان عزمتم نہیں ہے بلکہ وان عزمت ہے اور یہ خیال نہیں فرمایا کہ عزمت کی ضمیر سلطان ابن سعود جیسے غیر معصوم خاطی بادشاہ کی طرف نہیں پھرتی۔ بلکہ ایک معصوم اور غیر خاطی نبی سردار کونین کی طرف پھرتی ہے، جب کا عزم بالجزم سوائے خدا کے کسی کی مدد کا محتاج نہیں تھا۔"

مولانا تھانوی سے صدق جدید کے ایڈیٹر مولانا عبد الماجد دریا آبادی کی بہت عقیدت تھی۔ مولانا محمد علی اس سے واقف تھے اور اکثر ان سے دریافت فرماتے تھے کہ "ہمارے تھانیدار صاحب کا کیا حال ہے۔"

مولانا تھانوی جب بھی ہندوؤں کی بدعہدی کا حوالہ دیتے تھے تو مولانا محمد علی کا ذکر ضرور کرتے تھے۔ مولانا محمد علی کے متعلق مولانا تھانوی نے فرمایا: "تمام لیڈروں میں سب پیارے محمد علی کے اندر یہ بات تھی کہ وہ مہذب تھے۔ اسی زمانہ میں میں نے معتبر راوی سے سنا تھا کہ علی گڑھ کالج میں نماز کے بعد میرے لئے یہ دعا کرائی تھی کہ یا اللہ اس ہستی کو ہمارے ساتھ کر دے۔"

فرمایا: ہاں محمد علی سے باوجودیکہ وہ اس (تحریک خلافت) کے بانی ہیں مجھ کو محبت ہے، ایک تو وہ مہذب اور خوش نیت تھے، دوسرے اس وجہ سے کہ وضوح حق کے بعد اہل باطل کا ساتھ چھوڑ دیا تھا۔"

---

[1] آیت میں واذا کا لفظ ہے۔ (ادارہ)

کانگریس کے تلخ تجربوں کے بعد مولانا محمد علی جب کانگریس سے علیحدہ ہوئے تو مولانا عبدالماجد دریا آبادی نے ۱۹۳۰ء میں اس بات کی کوشش کی کہ دونوں رہنماؤں کے درمیان کوئی صورت مصالحت ہو جائے۔ ایک روز مولانا عبدالماجد نے موقعہ پاکر مولانا تھانویؒ سے عرض کیا کہ "حضرت ایک مرتبہ تو ملاقات حضرت اور مولانا محمد علی کے درمیان ہو جائے۔ حضرت تو سفر کرنے سے رہے اجازت ہو تو ان ہی کو لے آؤں۔" فرمایا: ارے نہیں وہ بڑے آدمی ہیں، یہاں کہاں آئیں گے۔ یہاں آنے کی دعوت دینا ہرگز مناسب نہیں، انہیں بڑی زحمت ہوگی۔" مولانا دریا آبادی نے فرمایا: اس سے حضرت کو غرض کیا، بلانے والا تو میں ہوں، ان کے آنے کی ذمہ داری ساری میرے سر ہے۔" فرمایا: "عرصہ ہوا فلاں صاحب نے بھی یہ تحریک کی تھی، میں نے پہلے بھی یہی جواب دیا تھا کہ میری تجویز یہ ہے کہ ایک رات خانقاہ میں گذاریں پہلے دن جب وہ تشریف لائیں گے تو میں اٹھ کر ان کی تعظیم کروں گا عزت سے اپنے پاس بٹھاؤں گا، لیکن اتنی عنایت وہ کریں کہ وہ مسائل پر اس روز گفتگو نہ کریں، بلکہ میرے معروضات بڑی خاموشی سے سنیں۔ شب میں آرام کریں۔ طبیعت کو خلوت ذہن کے ساتھ میرے معروضات کو سوچنے کا موقعہ دیں۔ پھر دوسرے روز جو چاہیں اور جتنی دیر چاہیں ارشاد فرمائیں میں بھی اسی خاموشی کے ساتھ سننے کو تیار ہوں"

اب مولانا تھانویؒ راضی ہو گئے، چنانچہ مولانا دریا آبادی نے مولانا محمد علی کو بھی نیم راضی کر لیا لیکن قدرت کو یہ ملاقات منظور نہ تھی اور اس کے بعد مولانا محمد علی کا انتقال ہو گیا۔

مولانا محمد علی کا انتقال ۴ جنوری ۱۹۳۱ء کو ہوا۔ مولانا تھانوی کو جب مولانا کے انتقال کا علم ہوا تو مولانا عبدالماجد دریا آبادی کے نام ایک تعزیتی خط لکھا جس سے ان کے دلی جذبات کا اظہار ہوتا ہے۔ مولانا تھانویؒ لکھتے ہیں:

مکرمی السلام علیکم ــــ محمد علی کی وفات کا میرے قلب پر جو اثر ہوا ہے بیان نہیں کر سکتا ہوں۔ خدا جانے کتنی بار دعا کر چکا ہوں اور کر رہا ہوں۔ مجھ کو مرحوم کی جس صفت کا اعتقاد اور اس اعتقاد کی بناء پر محبت ہے صرف ایک صفت ہے مسلمانوں کی سچی اور بے غرض محبت ــــ باقی دوسری صفات دیکھنے والے جانتے ہوں گے میں اسکو روح الصفات سمجھتا ہوں۔ ★

جمال شفاء خانہ رجسٹرڈ نوشہرہ صدر ضلع پشاور

دیرینہ، پیچیدہ، جسمانی، روحانی امراض کے خاص معالج